© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت و جہاد کا نبوی منہاج

اسلام بلا شبہ فرد و معاشرے کی سلامتی اور فلاح کا ضامن ہے، اس نے جہاں انسانوں کی فکری اور عملی تربیت کے لئے توحید و رسالت کی اساس پر نماز روزہ وغیرہ کی صورت تفصیلی احکامات دیے ہیں وہاں شریعت نے اخلاق و کردار کی مضبوطی کے ساتھ تبلیغ و جہاد کی اہمیت پر بھی بڑا زور دیا ہے، جن کے بغیر معاشرتی استحکام پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ علم تو ہر جدوجہد کی بنیاد ہے جو ذاتی ضرورت کی حد تک تو ہر فرد بشر پر لازمی ہے ہی لیکن معاشرے کی رہنمائی کے لئے گہرا اور بھرپور علم، دعوت و جہاد کی طرح فرضِ کفایہ ہے۔ البتہ تینوں کا چولی دامن کا ساتھ بھی ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ علم کا درجہ پہلا ہے، دوسرا تبلیغ کا اور تیسرا جہاد کا... تاہم فضیلت کے اعتبار سے وہی چیز بازی لے گی جس میں خلوص، محنت اور قربانی زیادہ کام آئے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ انسانی محنت اور قربانی کے بڑے قدر دان ہیں، اس لئے اس کا ہم پر یہ بڑا فضل ہے کہ اس نے ہماری جدوجہد کو بامقصد بنانے کے لئے انبیاء کے ذریعہ سے علم کی روشنی بخشی اور اسے ہی ان کا ورثہ قرار دیا۔ بلکہ اسی نورِ مبین کو پھیلانے کے لئے دعوت و تبلیغ کی اہمیت ہے تو اسی خیر کثیر کی راہ میں رکاوٹ بننے والے فتنوں کے خاتمہ کے لئے جہاد و قتال کی فضیلت۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال اسی وقت جنت کے لئے صراطِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستقیم بنے گا جب وہ علمِ صحیح اور نیتِ خالص پر مبنی ہو گا۔ بالخصوص شیطانی قوتوں سے مقابلہ کے وقت جب دعوت و جہاد ہم آہنگ ہوتے ہیں تو دعوت کی نرمی اور جہاد کی سختی کا توازن قائم رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے یہی وہ نازک مواقع ہیں جہاں تحریکیں غلط رُخ پر پڑ جاتی ہیں اور تنظیمیں فرقہ پرستی کی راہ اختیار کر کے فساد پر منتج ہوتی ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مجاہدین کی علمی رہنمائی پر زیادہ زور اسی لئے دیا ہے کہ جوش، ہوش پر غالب نہ آنے پائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علم، دعوت او جہاد کو ایک ہی آیت میں جمع کر کے ان کا باہمی یہی تعلق بتایا ہے۔ امام قرطبیؒ وغیرہ مفسرین کی تفسیر ملاحظہ ہو

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ ○ (التوبہ / ۱۲۲)

سارے ایمان والے ہی لڑائی کے لئے نہ نکل پڑیں بلکہ ہر حلقے سے کچھ لوگ دین کی گہری بصیرت حاصل کرنے والے بھی ہوں تاکہ وہ (اہل ایمان) اپنی قوم (مجاہدین) کو (انحراف کی راہوں سے) ڈرائیں اس طرح وہ (غلطیوں کے ارتکاب سے) بچے رہیں گے۔

دراصل دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں نئے سے نئے مسائل جنم لیتے رہتے ہیں اور ان مسائل پر تحریکیں بھی چلتی ہیں۔ پھر وقتی طور پر تحریکوں اور شخصیات کا وہ غلغلہ نظر آتا ہے کہ دیگر پہلو نظرانداز ہونے لگتے ہیں۔ انقلابات کے نعروں میں کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایات دائمی ہیں اور ان میں ایسے افراط و تفریط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علم، دعوت اور جہاد کی اپنی اپنی اہمیت ہے اور باہمی تعلق بھی واضح ہے اسے نظرانداز کرنے والے نتائج سامنے آنے پر افسوس تو کر سکتے ہیں لیکن ـــــ پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چُگ گئیں کھیت!

ادارہ ''رُشد'' کی طرف سے دعوت و جہاد کو افراط و تفریط سے محفوظ رکھنے کے لئے دو مقالے ہدیۂ قارئین ہیں جو اُمید ہے کہ اس سلسلہ کی بہت سی گتھیوں کو سُلجھانے میں مفید ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ

تبلیغِ اسلام میں تصادم اور کشمکش کا تصور

پاکستان کے اکتوبر ۱۹۹۳ء میں منعقد ہونے والے عام انتخابات کے نتیجے میں سیکولر حلقوں کا اقتدار قائم ہو جانے کو امریکی منصوبے کے ایک حصہ کی تکمیل اس لئے بھی قرار دیا جاتا ہے کہ انتخابات کے فوراً بعد امریکہ اور یورپ کے الیکٹرانک میڈیا اور صحافت نے اپنے تبصروں میں اس امر کو باور کرانے کی بھرپور کوششیں شروع کر دیں کہ پاکستان میں اسلام کو سیکولرزم کے مقابلے میں شکست ہوئی ہے جس کا مقصد اسلام پسندوں کو اقتدار سے محرومی کے بعد ذہنی طور پر شکست خوردہ بنانا ہے۔ گذشتہ دنوں اس صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے پاکستان کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور دانشوروں کا ایک اجتماع مجلس تحقیق اسلامی کے ہال، واقع ۹۹۔ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر کے پچاس کے قریب ممتاز اربابِ علم و دانش اور فکری رہنما شریک ہوئے۔ چار پانچ گھنٹے کی اس طویل نشست میں بڑے منظم طریقہ سے شرکاء کی اکثریت نے اظہار خیال فرمایا۔ موضوع ''دور حاضر میں غلبۂ اسلام کی حکمتِ عملی'' تھا ——— ظاہر ہے کہ ملک میں مروج جمہوری طریقہ انتخاب کے علاوہ دیگر متعدد طُرق ہائے دعوت و انقلاب کی ترجمانی بھی کی گئی جس کو آخر میں سمیٹنے کی ذمہ داری میزبانوں کے نمائندہ حافظ عبدالرحمٰن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدنی صاحب کی تھی۔ موصوف نے سات آٹھ مختلف مناہجِ دعوت و انقلاب کی صف بندی کرتے ہوئے تنظیم اسلامی اور لاہور کے مرکز الدعوۃ والارشاد کے طریق کار کو "ایرانی انقلاب" کے مشابہ قرار دیا کہ اگرچہ یہ انقلاب شیعی امام آیت اللہ خمینی کے ہاتھوں انجام پایا مگر بنیادی طور پر اس انقلاب کی روح تصادم اور کشمکش ہے، اسی طرح مذکور بالا دونوں پاکستانی تنظیمیں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے اسی تصادم کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں۔ بعد ازاں "مجلس تحقیق اسلامی" سے وابستہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ سے متعلقہ بعض حضرات نے اس نظریہ پر طلبہ کے سامنے تفصیلی تبصرہ کی تجویز پیش کی۔ کیونکہ تنظیم اسلامی اور مرکز الدعوۃ والارشاد دونوں اپنے طریق کار کو "جہاد" سے موسوم کرکے منہجِ نبوی قرار دیتے ہیں اگرچہ عملی طور پر اول الذکر کا میدانِ عمل مسلمانوں کے ملک میں داخلی انقلاب ہے اور ثانی الذکر بیرون ملک گوریلا سرگرمیوں میں شرکت کے علاوہ اندرونِ ملک "دعوت" میں تشدد اور کشمکش کو فروغ دینے کے لئے سرگرداں ہے۔ چنانچہ حافظ مدنی صاحب نے جامعہ ہذا میں مؤرخہ ۸۔ دسمبر ۱۹۹۳ء بروز بدھ کو اپنے عمومی خطاب میں بالخصوص مرکز الدعوۃ کے تبلیغی طریق کار کے پیش نظر "تبلیغ اسلام میں تصادم اور کشمکش کے تصور" پر روشنی ڈالی۔ انہی نکات پر مبنی یہ تحریر مناسب ترتیب و تفہیم کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

اس تبصرہ کی تمہید میں ہی یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اسلام کا مزاج سلامتی و اَمن کا ہے لہٰذا اس کا تصورِ "جہاد" بھی منفی نہیں بلکہ مثبت ہے جس کا مقصد تو اعلائے کلمۃ اللہ یا دوسرے لفظوں میں "کفر و اسلام کی کشمکش میں غلبۂ دین" ہی ہے جو انتہائی شکل میں بسا اوقات [1] تشدد اور مسلح تصادم کی شکل اختیار کرنے پر مجبور بھی ہوتا ہے لیکن جہاد کے علاوہ مسلمانوں کے مابین دعوت میں بھی تشدد کا رویہ چھا جائے تو تبلیغِ دین افراط و تفریط کا شکار ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے رد عمل میں بظاہر نوجوانوں کے جذبات بھلے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی قربانیاں ایمان پرور نظر آتی ہیں لیکن تشدد اور انتہاپسندی کے مظاہروں سے جو حلیۂ اسلام صرف جدل (مناظرہ اور کشمکش) کی مثال بنتا ہے اس کے نتائج مسلمانوں میں باہمی اجتہادی اختلافات کو حل کرنے میں تحسین افروز نہیں ہوتے بلکہ یہی رویہ پختہ ہو کر ہر مسئلہ کو تشدد سے حل کرنے بلکہ مسلمانوں میں باہمی قتل و قتال [۲] کا پیش خیمہ بن سکتا ہے أعاذنا اللّٰہ منه (رُشد)

اس وقت پاکستان کی معاشرتی حالت خاصی دگرگوں ہے۔ سیاسی فضا میں غلاظت اور تعفن پایا جاتا ہے۔ سماجی اور سیاسی طور پر ایسی ایسی خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں کہ جن کی اصلاح کے لئے حاملینِ دین اگر سنجیدگی سے کوشش نہیں کرتے تو ممکن ہے کہ پاکستان اس وقت جس عذاب سے دو چار ہے، اس سے کہیں زیادہ بڑا عذاب ہم سب کو دبوچ لے۔ نسألُ اللہ العافیۃ

تحریکوں کے لئے منہاجِ نبوت سے مطابقت ضروری ہے:

فرد کے ساتھ ساتھ معاشرے میں پائے جانے والی امراض کے علاج کے لئے

---

(۱) ظلم و بغاوت کے خاتمہ کیلئے قرآن میں ہے: ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (الشوریٰ: ۴۲)

(۲) حال ہی میں ایک عالمی خبر رساں ایجنسی کی اطلاع کے مطابق سوڈان کے ایک مشہور اہل حدیث عالم ابو زید مصطفیٰ پر چند متشدد اہلحدیث نوجوانوں نے جمہوریت کے بارے میں نرم رویہ رکھنے کے جرم کی بنا پر قاتلانہ حملہ کیا جس میں مذکورہ عالم دین تو بچ گئے لیکن دیگر چودہ اہل حدیث اس دہشت گردی کا شکار ہو کر راہیِ ملک عدم ہو گئے۔ ـــــ اناللہ وانا الیہ راجعون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیادی طور پر اسی جذبے، لگن اور ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک کامیاب طبیب بیماریوں کی آماجگاہ بننے والے مریض کے علاج میں رکھتا ہے اور انبیاء کے طریق پر اقامتِ دین کی مساعی میں ایسا رہنما ہی سُرخ رو ہو سکتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں متعدد افراد اور متنوع تنظیمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرے کو شیطانی جراثیم سے پاک کرنے اور دین کو غالب کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ مروجہ انتخابی سیاست سے قطع نظر دعوت و جہاد کے نام پر کام کرنے والی تمام تحریکوں کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ منہجِ نبوت کے مطابق کام کرتی ہیں، اس نعرہ اور اعلیٰ مقصد کے دعویٰ میں تو کسی مسلمان کے لئے کلام کی کوئی گنجائش نہیں اور دعوت و جہاد کے الفاظ کے استعمال میں بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا لیکن اس بارے میں دو باتیں مدنظر رہنی ضروری ہیں ایک یہ کہ دعوت و جہاد کی بحث کا تعلق منہاجِ شریعت[۳] سے ہے، مناسکِ شریعت سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلام کے ارکانِ خمسہ (کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ دعوت و جہاد بذاتِ خود عبادت نہیں بلکہ یہ اپنے اعلیٰ مقصد اور طریقِ کار کی صحت کی بنا پر اسلام

---

(۳) قرآن کریم میں ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ﴾ (المائدہ: ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ﴾ (الحج: ٦٧) ہم نے ہر اُمت کے لئے ایک شریعت (طرزِ عبادت) مقرر کی ہے جسے وہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کے بعد کا فقرہ یہ ہے ﴿ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ﴾ آپ ﷺ انہیں رب کی طرف دعوت دیتے رہیں۔ پہلی آیت میں اسلام کے دو حصوں شریعت اور طریق کار کو الگ الگ بیان کیا ہے تو دوسری آیت میں شریعت کو "منسک" کے لفظ سے بیان کرکے دعوت کو بطور منہاج ذکر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک مقام پیدا کرتے ہیں دوسری بات یہ کہ دعوت و جہاد کے الفاظ تو سب استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے مناہج مختلف ہونے کی بناء پر ہی وہ تحریکیں متعدد کہلاتی ہیں۔ لہٰذا اصل میں یہ پرکھنا چاہیے کہ کون سا طریقہ عملی طور پر منہاجِ نبوت کے مطابق ہے۔

غلبۂ دین یا اظہارِ حق کا مفہوم کیا ہے؟

ہمارے نزدیک تمام مسالک و مکاتب یا تنظیمیں اور تحریکیں خواہ کسی قسم کے نظریات اور عقائد رکھتی ہوں، اسی طرح وہ جُزوی طور پر دین کو پھیلانے کا کام کرتی ہوں یا کُل دین کی اقامت کی دعویدار ہوں ان کے لئے معیارِ حق انبیاء کی سنت و سیرت سے مطابقت ہے اگرچہ بظاہر قرآن و سنت میں انبیاء کے مناہج مختلف نظر آتے ہیں لیکن دراصل وہ حالات کی مناسبت سے ایک ہی تصویر کے کئی رُخ ہیں یا انہیں ایک ہی طریق کار کی متنوع جہتیں کہا جاسکتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو ان کی ہدایت (جو شریعت و منہاج کی جامع ہے) کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے........ ﴿ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (الانعام: ۹۰)

لہٰذا یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ تمام انبیاء ایک ہی رستے (اسلام) پر گامزن تھے اور وہ اپنے مشن میں کامیاب بھی گئے ہیں خواہ کسی کے ساتھ کم امتی ہوں یا زیادہ یا کوئی بھی نہ ہو، حدیث میں بعض انبیاء کے پیروکاروں کے لئے "رُھیط" کا لفظ آیا ہے جس سے چھوٹی ٹولی مراد ہے یعنی رھط جس کا اطلاق تین[۳] سے لے کر نو[۹] تک ہوتا ہے اس کا بھی ادنیٰ حصہ جو کہ فقط چند افراد ہوتے ہیں جو انبیاء پر ایمان لاتے رہے۔ لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ ایسے انبیاء دنیا میں اپنا مشن پورا نہ کرسکے، دین کی مکمل تبلیغ اور اللہ کی حجت قائم کردینا ہی انبیاء کا مشن رہا ہے اسی کا نام اظہار دین یا غلبۂ حق ہے جو تمام انبیاء کا مشترکہ مشن تھا۔ اور اسی غلبہ کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ[۴] بھی کیا ہے ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(المجادلۃ : ۲۱)

پیروکاروں کی اکثریت یا اقلیت معیارِ حق نہیں:

چنانچہ آج انتخابی سیاست میں اس بات کی بڑی کوشش کی جاتی ہے کہ جلسے / کانفرنس میں زیادہ سے زیادہ لوگ جمع کر لیئے جائیں۔ پھر ایسے بڑے اجتماعات کو اپنی صداقت و حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ان کی دیکھا دیکھی اب بعض دینی جماعتوں نے بھی جمہوری سیاست سے متاثر ہو کر سالانہ اجتماعات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ان اجتماعات کے اندر ان کی کوشش کوئی پروگرام دینے کے بجائے زیادہ تر یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہو جائیں اور میلے کا سا سماں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح کوئی تبلیغی جماعت دس بارہ لاکھ افراد کو جمع کر کے میدانِ عرفات کے بعد دوسرا بڑا اجتماع کر لیتی ہے تو کوئی دوسرا گروہ ہزاروں کا اجتماع کر کے لاکھ کی خبر شائع کرانے کو اپنی کامیابی قرار دیتا ہے، حالانکہ ان اجتماعات کے باوجود نہ عوام کی حالت بدلتی ہے اور نہ ملک میں کوئی تبدیلی ہوتی نظر آتی ہے۔ جمہوریت نے سیاست کے اندر جذباتی نعروں اور بلند بانگ دعووں کی جو ریت ڈال دی ہے اور جسے قرآن کریم نے ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (۵) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ (التکاثر : ۱،۲) سے تعبیر کیا ہے، اس نے اسلام پسندوں کو انتخابات میں زیادہ ووٹوں کی امید تو دلائی ہی تھی کہ وہ الجزائر کے انتخابات کو یاد کر کے اسی طرز پر فرنٹ بنانے لگے حالانکہ انہیں یا دلایا گیا کہ ایسے اتحاد (۶) پاکستان میں بن کر حکومتیں بھی کر چکے لیکن ووٹوں کی کامیابی نے اسلام کی عملداری میں پیش رفت نہ ہونے دی۔ بہر صورت الجزائر کے مذکورہ انتخابات نے اسلام پسندوں کی متوقع کامیابی کے خوف سے جمہوریت کے ناخداؤں کے آزادی اور عوامی راج کے دعووں کی قلعی کھول دی ہے۔ اللہ کرے کہ تبلیغ و جہاد کے نام پر اجتماعات کرنے والی جماعتیں ان کانفرنسوں سے عوام میں دین کی حقیقی روح ڈال سکیں۔ جہاد کا جذبہ بڑا مبارک ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیلن تربیت نہ ہونے کی بناء پر اس کے اثرات بھی مثبت نظر نہیں آرہے، افغانستان سے روس تو نکل گیا لیکن اب مسلمانوں کے باہمی قتال کی صورت "خانہ جنگی" جہاد کا کون سا رنگ دکھا رہی ہے؟ اور پھر شریعت تو نافذ نہ ہو سکی، جمہوریت ہی کے لئے ہاتھ پاؤں مارے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے!

غلبۂ دین کا نبوی منہاج:

انبیاء کرامؑ نے فرد کی اصلاح اور اپنی امتوں میں دین کو غالب کرنے کے لئے جو طریق کار اپنایا، قرآن کریم اسے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا نام دیتا ہے اور یہی اصطلاح دعوت و جہاد کی نسبت زیادہ جامع مانع ہے۔ اس میں قلب و زبان سے لے کر قوت و نفس تک کی تمام محنتیں اور قربانیاں شامل ہیں پھر نیکی کا پھیلاؤ اور بدی میں رکاوٹ کا مقصد بھی انہیں الفاظ میں موجود ہے جو دعوت و جہاد

---

(۴) اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یہ لکھا رکھا ہے کہ میرے تمام رسول غالب آکر رہیں گے اللہ تعالیٰ نے یہی وعدہ بلا تخصیص اپنے بندوں سے بھی کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ـــــ ﴿ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ (الصافات: ۱۷۳) بے شک ہمارے لشکر غالب رہتے ہیں۔ تاریخ سے عیاں ہے کہ تمام انبیاء کو دنیا میں سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہو سکا۔ چنانچہ اس غلبہ سے مراد اظہار دین کا وہ مشن ہے جو اتمامِ حجت کی صورت میں زندگی کے تمام شعبوں بشمول سیاست انبیاء کر گئے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ ہمیشہ غالب رہے ہیں۔

(۵) تمہیں آپس میں کثرت کے مقابلہ نے اللہ سے غافل کردیا یہاں تک کہ قبروں میں جا پہنچے یا قبریں گن گن کر زیادہ مقتولین کا مقابلہ کرنے لگے۔

(۶) پاکستانی انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے جو نواز شریف کی وزارتِ عظمیٰ پر ختم ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے الفاظ میں موجود نہیں۔ اسی امت کو خیر امت (۷) کا لقب دیا گیا ہے جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پھیلاؤ پوری انسانیت تک وسیع ہے اور یہی تمام انبیاء ؑ بشمول خاتم النبین ﷺ کا مشن رہا ہے۔ قتال کی صورت میں جہاد، تمام انبیاء کی زندگیوں میں نہیں ملتا بلکہ اس قتال کے لئے نبیوں نے قصداً محنت ہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ لاکھوں بنی اسرائیل کی حمایت کے باوجود فرعون سے نہیں ٹکرائے حالانکہ بلاخوف اس کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر جہاد عظیم کرتے رہے۔ اسی طرح اگرچہ قرآن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ دعوت الی الخیر (۸) کا بھی ذکر ہے۔ تاہم اس کا مقصد یہی ہے کہ امر بالمعروف و نہی المنکر میں دعوت کا مزاج غالب رہنا چاہیے۔ کیونکہ انبیاء (۹) جبر کے داروغے (۱۰) بن کر نہیں آتے بلکہ پوری طرح طرح ابلاغِ حق (۱۱) سے ان کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔

---

(۷) آیت ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) کی طرف اشارہ ہے۔

(۸) ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ کا فریضہ بجالائے۔

(۹) وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ﴾ (قٓ: ۴۵) اے نبی ﷺ تو ان پر جبر کرنے والا نہیں۔

(۱۰) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾ الغاشیہ: ۲۲) آپ ﷺ ان پر کوئی داروغہ مقرر نہیں ہیں۔

(۱۱) ﴿ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (التغابن: ۱۲) پس ہمارے رسول ﷺ پر تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض ممالک میں جہاد کی مخصوص صورت:

دعوتِ اسلام کے مزاج پر کچھ کہنے سے قبل میں بعض ممالک میں جہاد کی مخصوص صورت حال پیش کرنا چاہتا ہوں جو دعوت کے اصل مزاج پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے بعض ممالک مثلاً افغانستان، بوسنیا، کشمیر میں مسلمان کفار کے ہاتھوں بری طرح کچلے گئے، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو بری طرح پامال ہو رہی ہے لہٰذا علمائے اسلام نے یہ فتویٰ دیا کہ کفار کے حملے کی وجہ سے ان مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوگیا ہے اور دوسرے مسلمانوں پر دامے درمے سخنے ان کی مدد ضروری ہے۔ لہٰذا ان مظلوموں کی حمایت کے لئے جابجا "جہاد کی تحریکیں" کام کر رہی ہیں جن کی صاحبِ خیر مسلمان بالخصوص مال دار ممالک بھرپور مالی مدد کر رہے ہیں دوسری طرف دردِ دل رکھنے والے نوجوان جوش و جذبہ سے بھرپور، جسم و جان سے اس جہاد میں شریک ہیں اور آئے دن کفار کے ہاتھوں بے گناہ مظلومین پر نت نئے ستم کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی شہادتوں کی خبریں بھی آتی رہتی ہیں جس سے کوئی ہمدرد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ ایسی موت کو شہادت [۱۲] کی موت قرار دیا ہے جو مسلمان کی جان، مال، عزت کی حفاظت میں جائے۔ لہٰذا ایسی محنت و قربانی کو جہاد قرار دینے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اسلامی سیاست ہے جس میں دفاع کی خاطر کلاشنکوف، توپ، راکٹ لانچر، ہیلی کاپٹر اور جو بھی جدید ترین اسلحہ ہو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں اگر کوئی بحث ہو سکتی ہے تو صرف یہی کہ مجاہدین کی مختلف ٹولیوں کو باہم مربوط اور متحد کیسے کیا جائے؟ اسی طرح پچاس کے قریب مسلمان حکومتوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ آخر ان اسلامی ملکوں کی لاکھوں کی تعداد میں جو فوجیں ہیں جن پر اربوں کھربوں ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں، خاموش تماشائی بنے رہیں یا صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرلیں کیونکہ منظم جہاد و قتال نہ ہونے کے سبب بعد میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں انہیں کنٹرول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ سُپر قوتیں افراتفری اور دگر گونی حالات سے فائدہ اٹھا کر امن فوج کے نام پر ایسے ممالک میں اپنے اڈے قائم کرلیتی ہیں یا جمہوریت کے ڈول ڈال کر مسلمان ٹولیوں کو آپس میں لڑاتی رہتی ہیں۔ افغانستان کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ افغان قوم نے سپرپاور روس کو تو دیس نکالا دے دیا لیکن اب جمہوریت قائم کرنے کے دعوؤں سے باہمی خانہ جنگی میں مبتلا ہے اور کشمیر کی صورتحال بھی یہی نظر آرہی ہے کہ کشمیریوں کی Option Third [۱۳] کے لئے ذہن سازی کی جارہی ہے۔

اسلامی تبلیغ ودعوت کا مزاج:

جہاد کے مذکورہ بالا پس منظر میں بعض تحریکیں جو جہادی سرگرمیوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ تبلیغ و دعوت کا کام بھی کرنا چاہتی ہیں ان پر قتال کی صورت اوران جہادی کاروائیوں نے یہ اثر ڈالا ہے کہ وہ تبلیغ ودعوت میں بھی یہی تصادم اور کشمکش کا رویہ اپنارہی ہیں جبکہ اسلام کو ایک عسکری دین (Relegion Millitant) کے طور پر پیش کررہی ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلتا ہے۔ یہ لوگ جہاں کلاشنکوف کو اپنا شعار (Symbol) بنائے ہوئے ہیں وہاں یہ نعرہ بھی لگاتے ہیں ـــــ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا"

---

(۱۲) ﴿ من قتل دون ماله فهو شهيد من دون قتل نفسه فهو شهيد من قتل دون عرضه فهو شهيد ﴾ جو شخص اپنے مال یا جان یا عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے، وہ شہید ہوتا ہے۔

(۱۳) کشمیر نہ پاکستان کا ہو اور نہ بھارت کا بلکہ خود مختار آزاد ملک۔ گویا امریکہ کے رحم وکرم پر اس کے فوجی اڈوں کے طفیل!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم غلبۂ دین کے نبوی منہاج کی بحث میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ امربالمعروف و نہی عن المنکر جو اسلام کے تصورِ جہاد پر بھی مشتمل ہے، اس کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے اندر دعوتی مزاج غالب رہنا چاہیے جس کا طرۂ امتیاز انسانی ہمدردی، محبت اور حُسنِ اخلاق ہے۔ تلوار کے جبر کے بجائے انہی اخلاقی قدروں سے اسلام پھیلتا ہے۔ اسلام میں دعوت کا مزاج تصادم پیدا کر کے کشمکش بپا کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ قتال تو دین میں دفاع کے لئے آخری وہ حربہ ہے جو تبلیغ کی ناکامی کی صورت میں اختیار کیا جاتا ہے لہٰذا وہ ہمیشہ غیروں (کفار) کے خلاف ہوتا ہے، مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے ذریعہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح: ۲۹)

"یعنی مسلمان کافروں کے خلاف سخت گیر اور آپس میں رحمدل ہیں"

حضور اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمان تو درکنار منافقوں کے خلاف بھی تشدد کا رویہ اپنانے کا اجازت نہیں دی۔ کتنی بار ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے، میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں لیکن آپ ﷺ کا رویہ درگذر کردینے اور صلح صفائی کا رہا۔ قرآن مجید میں بھی آپ ﷺ کے لئے یہی حکم ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾ (الاعراف: ۹۹) اے نبی، معافی کا رویہ اختیار کر، بھلائی کا حکم دے اور جاہلوں سے درگذر کر۔ آپ ﷺ کے اخلاق کی یہ عظمت تھی کہ بڑے بڑے سخت دل آپ ﷺ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے رہے، یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

دعوت کی تمہید انسانی ہمدردی اور خدمت ہے:

اسلام میں دعوت کا مزاج سمجھنے کے لئے انبیاء کی زندگی کا نقشہ سامنے رہنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے۔ انسانی ہمدردی اور جذبۂ خدمت وہ طرۂ امتیاز ہے جو ان کا ہمیشہ سہارا بنتا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ گھر اس حالت میں پہنچے کہ خوف و پریشان سے تھرا رہے تھے اور تیز بخار ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ موت واقع ہونے کا خدشہ محسوس کر رہے تھے لیکن حضرت خدیجۃ الکبریٰ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جن الفاظ میں آپ ﷺ کو تسلی دی وہ آپ ﷺ کی رفاہی زندگی کا ایک بہترین نقشہ پیش کرتی ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

والله لا يخزيك الله ابدا، انك لتصل الرحم و تصدق الحديث، و تحمل الكل، وتكسب المعدوم، و تقرى الضيف،، و تعين على نوائب الحق (بخاری: ابواب بدء الوحی)

"اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرنے والے، سچ بولنے والے، دوسرے کا بوجھ بانٹنے والے، غریب کو کما کر دینے والے (یا غریب کے لئے ذریعہ کمائی مہیا کرنے والے)، مہمان نوازی کرنے والے، اور راہِ حق میں پیش آنے والی مصیبتوں میں مدد کرنے والے ہیں"

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ اس بات کی شہادت دیتے ہں کہ آپ ﷺ نے اپنے بلند ترین اخلاق و کردار سے لوگوں کو رام کیا نہ کہ تلوار کے جبر سے اصلاحِ معاشرہ کی کوشش فرمائی۔

اسلام "تصادم سے بچاؤ" کی تعلیم دیتا ہے:

باقی رہا تصادم کی فضا کو پیدا کرنا یا معاشرے میں کشمکش بپا کرنے کی محنت کرنا، اسلامی تعلیمات اس رویہ کو پسند نہیں کرتیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تتمنوا لقآء العدوّ، وسلوا الله العافية، فإذا لقيتموهم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاصبروا...... الحدیث (بخاری)

"دشمن سے مڈبھیڑ کی کبھی آرزو نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت (تصادم سے بچاؤ) مانگا کرو البتہ اگر دشمن کا سامنا ہو جائے تو ثابت قدم رہو"

معلوم ہوا کہ جب دشمن سے ٹکراؤ کی آرزو بھی منع ہے تو ٹکراؤ کے لئے خود حالات پیدا کرنا بالاولی ممنوع ہوا۔ ہاں! اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں جیسا کہ بسا اوقات پیدا ہو جایا کرتے ہیں تو اس وقت ڈٹ جانے کا حکم ہے۔ یہ مضبوطی بھی صرف تلوار اٹھا کر ہی نہیں ہوتی بلکہ اعلانِ حق کی صورت میں بھی ہوتی ہے اور وہی افضلُ الجہاد ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" (رواہ اصحابُ السنن) ظالم حاکم کے پاس کلمۂ حق کا اعلان بہترین جہاد ہے۔ بلکہ انبیاء رضی اللہ عنہم ایسے موقعوں پر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ "ضد" ٹوٹے اور حق پر غور و فکر کی راہ نکل آئے جیسا کہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے بعض انبیاء کو ان کے مخاطبین نے جھٹلانے کی یوں حجت نکالی کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو لہٰذا نبی نہیں ہو سکتے۔ اس کے بالمقابل نبیوں نے جو انداز اختیار کیا وہ ضد سے بچ کر سچائی پر توجہ دلانے کا ہے، ارشاد ہے:

﴿ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ﴾

"ہم تمہاری طرح کے انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے پر چاہے (اپنا نمائندہ بنا کر) احسان کر سکتا ہے" (ابراہیم: ۱۱)

انبیاء کا مذکورہ رویہ تصادم اور کشمکش سے بچنے کی انتہائی کوشش ہے کہ مخاطبین میں ضد بھی پیدا نہ ہو اور حق بھی نہ چھپے۔ چونکہ انسان میں خیر و شر کی دونوں حسیں پائی جاتی ہیں جب کسی کے جذبات کے خلاف کوئی بات کہی جاتی ہے تو فوراً شر کی حس بھڑک اٹھتی ہے اور اسے تشدد پر اُبھارتی ہے۔ انبیاء حق کے اظہار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت ایسی نفسیات کا خصوصی دھیان رکھتے ہیں جس میں خیر کی بجائے شر کی حس بیدار ہو۔ لہٰذا وہ کشمکش سے کنی کترا کر خیر کی حِس کو غور و فکر کی طرف لانے کے لئے کوشاں ہو جاتے ہیں اور انسانی ہمدردی اور خدمت کا مسلسل عمل بھی ان کا معاون بنتا ہے۔ جیسا کہ دعوت کی تمہید میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات وقتی طور پر شر کو برداشت بھی کر لیا جاتا ہے جیسا کہ ۹ ہجری میں جب مشرکین حجِ بیتُ اللہ کے لئے آئے تو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو جوش آیا کہ ہم ان مشرکین کو بیت اللہ سے روک کر ۶ ہجری (صلحِ حدیبیہ کے سال) کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں نہ صرف اس سے روکا بلکہ مشرکوں کے عمل (زیارتِ بیتُ اللہ) کو "خیر" قرار دیا اور ان سے تعاون کی تلقین فرمائی۔ قرآن کے الفاظ یوں ہیں:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ (المائدہ: ۲)

"تم مسلمانوں کو کسی قوم کی دشمنی، زیادتی پر نہ بڑھکائے کہ ان (کافروں) نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا، چنانچہ تمہیں بھلائی اور تقویٰ پر تعاون کرنا چاہیے"

ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے بالمقابل رحم دلی اور نرمی ہی وہ ہتھیار ہے جس سے انبیاء لیس ہوتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ موسیٰ علیہ السلام تو فرعون کے گھر میں پلے بڑھے تھے اور ان کی قوم بنی اسرائیل لاکھوں افراد پر مشتمل تھی لیکن موسیٰ علیہ السلام نہ تو حکومت کے دعویدار بن کر فرعون سے ٹکرائے اور نہ ہی فرعون کے ظلم و ستم کے خلاف بنی اسرائیل کو بھڑکا کر فرعون سے اُلجھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے تشدد کے باوجود نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا، ارشاد ہے:

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ (طٰہٰ: ۴۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دونوں آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حُسنِ اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دی گئی ہے، ایک مؤمن کا یہ نظریہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلے میں بھلائی سے پیش آئے، اگر کوئی سخت رویہ اختیار کرے تو اس کے مدِمقابل وہ طرز اختیار کرے جو اس سے بہتر ہو، انتہائی صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھے اور تصادم سے بچنے کی جدوجہد کرے۔ ہاں اگر تصادم ہو جائے تو ڈٹے رہنا چاہیے اور اگر کشمکش کی صورت پیدا ہو جائے تو اپنے مؤقف کو چھوڑنا نہیں بلکہ مضبوط اور ثابت قدم رہنا لازم ہے، تاہم اس میں بھی حسنِ سلوک کا پہلو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾ (لقمان: ۱۵)

"یعنی اگر تمہارے والدین تمہیں شرک کرنے کا حکم دیں تو ان کی اطاعت مت کرو، البتہ دنیا کے اندر ان کا اچھے طریقے سے ساتھ دو"

اس بارے میں علمائے دین وضاحت کے لئے نرم رویہ کے ساتھ **"مداہنت"** کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ حُسن سلوک ایسا ہونا چاہیے جس میں مداہنت (سُستی یا غفلت) کی وجہ سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوٹ جائے جس کی فرضیت اور تدریج کی صورتیں معروف ہیں لہٰذا تشدد و تصادم سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ تاہم نیکی کے فروغ اور برائی میں رکاوٹ کی تدابیر نہ چھوڑی جائیں۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿ سدّدوا وقاربوا، یسّروا ولا تعسّروا بشّروا ولا تنفروا ﴾

"یعنی دین میں سیدھے رہو اور مفاہمت کا رویہ اپناؤ، جس میں اجنبیت سے بچنے کی کوشش ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"(اے موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام) فرعون سے نرم بات کرنا شاید اسے سوجھ آئے یا ڈر جائے"

سچ پوچھئے تو جہاد "صبر" کی تربیت کے بغیر، خطرہ ہے کہ فساد بن جائے۔ فرعون کا بنی اسرائیل پر جبر و ظلم ضرب المثل ہے لیکن اس کے لئے موسیٰ رضی اللہ عنہ کی کتنی تربیت کی گئی، یہی تعلیم اُمتِ محمدیہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ ـــــ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ (الرعد: ۲۲)

"اور جن لوگوں نے اپنے رب کے چہرہ کی تلاش (یعنی اس کی رضا کے حصول) میں صبر کیا، تو وہ نماز قائم کرتے، چھپا کر اور علانیہ رب کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے، اور برائی کا علاج نیکی سے کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ہی بھلا انجام ہے"

مذکورہ آیت میں مؤمنوں کے اچھے انجام کے لئے صبر کی وہ صورتیں بیان کی گئی ہیں جو وہ اختیار کرتے ہیں ان میں نماز و صدقات کے علاوہ برائی کا مداوا بھلائی سے کرنے کا اہم کردار پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سختی کے بالمقابل برداشت کا رویہ ہی وہ صبر ہے جو کامیابی پر منتج ہوتا ہے۔

(۲). اس کا ذکر ایک دوسری جگہ یوں کیا گیا ہے:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴾

"برائی کا دفاع بہترین بھلائی سے کر، چنانچہ جس شخص کی تیرے ساتھ عداوت ہے وہ تیرا گہرا دوست بنے گا تاہم یہ رویہ صرف صبر کرنے والے اور صاحبِ قسمت لوگ اپناتے ہیں" (حم السجدہ: ۳۴-۳۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز آسانی اور خوشی دلانے کا انداز ہو، نفرت اور دوری کا رویّہ نہ ہو۔ مطلب واضح ہے کہ دین کی واضح اور سیدھے اور سادے انداز میں تبلیغ کرو، یوں نہیں کہ نوجوانوں کے جذبات اُبھار کر انہیں ورغلاؤ، بلکہ اس انداز سے اصلاحِ احوال کی کوشش کرو کہ لوگ تمہارے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں۔ لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو، انہیں خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ۔

(۴) اسلام تو دعوت میں تصادم اور کشمکش سے اس حد تک بچنے کی ترغیب دلاتا ہے کہ اگر کسی سے مناظرے کی کوئی شکل پیدا ہو جائے تو اس سے بھی حتی المقدور اعراض کیا جائے کیونکہ مناظرہ دعوت نہیں بلکہ دفاع ہے جب کہ اصل مقصود دوسرے کی ہدایت ہوتی ہے۔ دفاع تو اپنی مجبوری ہوتی ہے:

﴿ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴾ (القصص: ۵۵)

"یعنی وہ (مؤمن) جب کسی سے لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہیں مبارک، ہماری طرف سے تم کو سلام ہو، ہم جاہلوں کی رفاقت نہیں چاہتے"

(۵) دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ﴾ "یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو حتی کہ وہ کسی دوسری بات میں بحث کرنے لگیں"

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مناظرے کی کوئی صورت پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائے وہاں کنارہ کشی اختیار کرلی جائے تاکہ میدانِ دعوت میں کسی قسم کا جدال پیدا نہ ہو، حالات قابو میں رہیں اور فضا میں تشدد و تناؤ نہ آنے پائے۔ ایسی صورت میں دُور سے سلام کہنا عبادُ الرحمٰن کی صفت ہے:

﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ﴾ (الفرقان: ۶۳)

کیونکہ اس وقت برائی کی حس بیدار ہوتی ہے، جس کے ختم ہونے کا اسلام انتظار کرتا ہے تاکہ اس برائی کے مقابلے میں نیکی کی حس بیدار ہو اور دعوت الی اللہ کا کام مؤثر انداز سے کیا جاسکے۔

(۶) ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (الانعام: ۱۰۸)

اس آیتِ قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور ان کے معبودانِ باطلہ کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کو گالیاں دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سے بھی دعوتِ حقیقی کا مزاج سامنے آتا ہے کہ کس طرح اسلام اپنے دعوتی مزاج، حُسنِ اخلاق، ہمدردی اور محبت کو اُجاگر کرتا ہے اور تصادم و کشمکش سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ:

بعض لوگوں کا خیال ہے، نبی اکرم ﷺ کا یہ دعوتی مزاج صرف مکہ مکرمہ میں تھا پھر ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے مسلح کاروائیاں شروع کردی تھیں۔ اس لئے اس وقت بھی مسلح یا متصادم دعوت ہی مؤثر ہوسکتی ہے، لیکن ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ مدنی زندگی میں آپ ﷺ نے مسلح جنگوں میں گو خود باقاعدہ شرکت کی ہے لیکن پھر بھی دعوتی مزاج جو کہ صلح اور حُسنِ سلوک کا ہے اسے آپ ﷺ نے آخر دم تک نہیں چھوڑا، صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف اور صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے بیت اللہ میں جانا چاہتے تھے اور اجازت نہ ملنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے وہ کافی آزردہ ہو گئے تھے، کافروں نے جب بظاہر انتہائی رُسوا کن شرائط منوائیں تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے صلح کا پہلو ترک نہیں فرمایا، پھر فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے جن مبلّغین کو کچھ علاقوں کی طرف روانہ کیا تھا، انہیں تصادم یا کشمکش برپا کرنے کا نہیں بلکہ اس انداز سے تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا کہ اگر وہ اللہ کی توحید کو مان لیں تو انہیں پانچ نمازوں کی فرضیت کے بارے میں آگاہ کرو، پھر اگر وہ نمازیں پڑھنے لگ جائیں تو انہیں آہستہ آہستہ روزوں اور زکوۃ کے بارے میں بتلاؤ۔کیا یہ انداز مسلح یا متصادم دعوت کا سبق دیتا ہے یا ایسی دعوت کا کہ جس میں خیر خواہی اور ہمدردی ہو؟ اور حتیٰ کہ جہاد بالسیف سے بھی آپ ﷺ نے دعوت الی اللہ کو مقدم رکھا ہے۔ روایات میں موجود ہے کہ جنگ کرنے سے پہلے آپ ﷺ دشمنوں کو اسلام کی طرف بلاتے، ورنہ جزیہ قبول کرنے کے لئے کہتے اور آخری اقدام قتال کا اختیار فرماتے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں قتال کی حکمت ظلم و ستم کو ختم کرنا ہے نہ کہ کفر کو ختم کرنا اس سلسلہ میں درج ذیل آیاتِ قرآنی پر غور فرمایئے:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ ﴾ (الانفال ۳۹:)

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد مٹ جائے اور سارا دین اللہ کے لئے قائم ہو جائے"

﴿ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (الشوریٰ: ۴۲)

"تشدد و انتقام پر ملامت صرف ان لوگوں کو ہے جو لوگوں پر زیادتی کریں اور زمین میں ناحق سرکشی اختیار کریں"

چنانچہ لڑائی کا مقصد ظلم اور فتنے کا خاتمہ ہوا، کفر کا خاتمہ نہیں کیونکہ کفر تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف دعوت کے ذریعے ختم ہو سکتا ہے جبکہ ظلم لڑائی سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کافر حملہ آور ہو جائیں تو قتال فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ مغالطہ نہیں کھانا چاہیے کہ لڑائی صرف بطورِ دفاع ہوتی ہے اقدامی نہیں، جہاد صرف دفاع ہے آگے بڑھ کر چیلنج نہیں، اس نظریے کا رد بالاجمال یہ ہے کہ جہاں کہیں کفر ہوتا ہے وہاں ظلم بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے اس لئے ظلم و ستم کو اور مسلمان جس فتنے میں مبتلا ہوں اسے ختم کرنے کے لئے بھی کفر پر حملہ آور ہوا جاسکتا ہے بلکہ ایسی جگہ جہاں لوگ ظلم و ستم کا شکار ہوں اور جبرو استبداد کے پنجے میں دبے ہوئے ہوں، وہاں اسلام کا رویہ یہ ہے کہ ان کو اس تکلیف سے نجات دلانے کے لئے ظالموں سے جہاد کرو۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

"مسلمانو! ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ زمین سے فتنہ و فساد (ظلم و جور) کا خاتمہ ہو جائے۔ اور تمام کا تمام دین اللہ کے لئے ہو جائے"

غور فرمائیے کہ اسلام کا اس قتال سے مقصد بھی مظلوموں کو ظلم سے آزاد کرانا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو مجاہدینِ اسلام کفار کی سرزمین پر حملے سے قبل مخالفین کے سامنے رکھتے تھے کہ تم مسلمان ہو جاؤ یا پھر فدیہ دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر ان دونوں صورتوں میں کوئی بھی قابل قبول نہیں تو پھر آخری صورت کے طور پر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اسی بات کا ہی لشکر اسلام کے ایلچی مخالفین کے سامنے اظہار کرتے تھے کہ

"اللہ کی زمین ظلم و ستم کے شکنجے میں ہے ہم تو انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ وحدہٗ لا شریک کی غلامی میں دینے کے خواہاں ہیں"

تو اسلام اس قتال کی صورت میں بھی مخالفین کی خیر و بھلائی چاہتا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجاہدینِ اسلام کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی طرح اس زمین کو تہ تیغ کیا جائے اور اپنی جہانگیری میں لایا جائے بلکہ ان کی اولین ترجیحات یہی ہوتی ہیں کہ اس قتال کے بغیر ہی ان کی بھلائی اور اصلاح کی کوئی صورت نکل سکے۔ غرض یہ کہ ہر حالت میں اسلام کے پیشِ نظر دوسروں کی خیر خواہی ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ

"الدین النصیحة.......... الخ"

تصادم کا رستہ پہلے کس نے اختیار کیا؟

معاشرہ میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے راہِ تصادم اختیار کرنا، تشدد پسندانہ کاروائیاں کرنا، حالات میں تناؤ پیدا کرنا اور گھر گھر میں کشمکش برپا کرنے کا انداز اصل میں کیمونزم کا طریق کار ہے، جس سے بعض اسلامی ملک بھی متاثر ہوئے۔ مثلاً ایران میں انقلاب کے بعد تشدد کی حد کر دی گئی، دشمنوں کو معاف کرنے کی بجائے انہیں تہہِ تیغ کیا گیا اور تشدد کے ذریعہ ایک ہمہ جہت انقلاب برپا کر کے معاشرے کی حالت تبدیلی کی گئی، ارضِ پاکستان میں بھی بعض دینی تحریکیں اس سے خاصی متاثر ہوئیں ہیں اور اقامتِ دین و اصلاح معاشرے کے لئے اس طریقے کو مؤثر سمجھتی ہیں، خود سیاسی جماعتیں بھی ایسے وقت میں اس طریقے کو اس وقت اختیار کر لیتی ہیں جب کسی کے اقتدار پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

پچھلی ساری بحث کا لُبِّ لباب اور حاصل یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کی موجودہ افسوسناک صورتحال کو تبدیل کرنے اور اللہ کے دین کو اس میں غالب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ سرانجام دیا جائے، کسی خود ساختہ طریقہ کار سے نہیں بلکہ صرف دعوت الی اللہ کے ذریعے اور دعوت بھی ایسی جو کسی بھی تشدد و تطرف سے خالی ہو اور ہمدردی، خیر خواہی، محبت اور اعلیٰ اخلاق و کردار سے مزین ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اشد ضروری ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں کہیں مسلمان کافروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں وہاں عملی طور پر جہاد میں شرکت کی جائے یا مجاہدین کی مدد اور ان کا ہر طرح سے تعاون کیا جائے، جہاد کا مقصد صرف اور صرف "اعلاءِ کلمۃ اللہ" ہو نہ یہ کہ افغانستان کی طرح اپنی جماعت کی حکمرانی قائم کرنا اور کتنا اچھا ہو کہ خود مسلمان حکومتیں اپنی فوجیں میدان جہاد میں لائیں اور کافروں کے سامنے ڈٹ جائیں!! یا کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ جو تنظیمیں، تحریکیں اور جماعتیں اس وقت جہاد میں مصروف ہیں وہ بجائے اس کے الگ الگ اپنے اپنے محاذوں سے لڑیں اور اپنی قوت منتشر کیے رکھیں اور اپنے نوجوانوں کی شہادت کا ڈھنڈورا پیٹیں، متحد ہو کر لڑیں تاکہ ان کی قوت مجتمع رہے اور صرف اللہ کے دین کا غلبہ حاصل ہو نہ کہ شخصیات کو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ (الانفال: ٦٤)

وما توفیقی الا باللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com